برصغیر کی زبان:
دیوناگری اردو یا نستعلیق ہندی

سید محمد انور

اردو زبان دنیا کی وہ واحد زبان ہے جو کہ دو مختلف رسم الخط میں لکھی جاتی ہے۔ یعنی فارسی یا نستعلیق اور ہندی یا دیوناگری رسم الخط۔[1] تحقیق سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ پورے برصغیر کی عوامی زبان جو آج یہاں بولی جاتی ہے اور صدیوں پہلے بھی بولی جاتی تھی، اس زبان کو اورنگزیب عالمگیر کے دور سے قبل ہندی یا ہندوستانی زبان کہا جاتا تھا۔ بالفاظ دیگر ہندوستان میں عام بولی جانے والی زبان کا نام اردو اورنگزیبی دور کے بعد ہی پڑا۔[2] یہ ایک نہایت اہم نکتہ ہے جو کہ اردو زبان کی تاریخ و ارتقاء کی تحقیق کے حوالہ سے بنیادی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ کسی زبان کا ایک زمانہ میں وجود میں آنا اور کسی زبان کا پہلے سے موجود ہونا اور اس کو دوسرا یا ایک نیا نام دیا جانا کلی طور پر دو مختلف باتیں ہیں۔ دراصل اردو زبان کے مورخین یا ماہر لسانیات جنہوں نے اس کی تاریخ و ارتقاء پر ابتدائی کام کیا ہے انہوں نے ان دونوں باتوں کو خلط ملط کر دیا ہے۔ یعنی انہوں نے اردو زبان کی ابتداء اس نقطہ سے کی ہے جہاں اس عوامی زبان کا نام اردو رکھا گیا یا غیردانستہ طور پر اس زبان کا نام جو کہ ماقبل زمانہ سے ہی اپنا وجود رکھتی تھی اردو پڑ گیا۔

ہندوستان میں عام بولی جانے والی بھاشا یا زبان جو کہ صدیوں کے سفر کے بعد اور درجنوں نسلوں کے طویل و عمیق اختلاط سے وجود میں آئی تھی وہ وہی زبان تھی جس کو بعد ازاں ہندی یا ہندوستانی کا نام دیا گیا کیونکہ یہ ہی عوامی زبان تھی اور پورے ہندوستان میں تھوڑے سے لہجہ کے فرق سے بولی جاتی تھی لہٰذا بعد کے آنے والے تحقیق کاروں کو مغالطہ ہوا کہ آج جو زبان ہندوستان میں بولی جاتی ہے اسے ہندی کا نام دیں یا اردو کا اور اگر ان دونوں زبانوں کے رسم الخط کے اختلاف کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ان دونوں کو ایک ہی زبان تصور کر لیا جائے تو اس زبان کی جائے ولادت کون سی ہے اور ایک ہی زبان کے لئے دو رسم الخط کیوں

استعمال کئے گئے۔

اس زبان کی جنم بھومی تلاش کرنے کے چکر میں مختلف تحقیق کاروں نے ہندوستان کے مختلف علاقوں کو اس کی جائے ولادت قرار دیا ہے۔ علامہ سید سلیمان ندوی نے نقش سلیمانی[۳] لکھ کر اس زبان کا اصل علاقہ جہاں یہ پنپی وادی سندھ قرار دیا۔

علامہ شیرانی نے بہت قوی دلائل اس بات کے دیئے کہ ہندوستان کی موجودہ زبان چاہے وہ اردو کہلائے یا ہندی محض بولے جانے کی حد تک پنجاب کے میدانوں کی فصل ہے[۴] اور سبزواری اور ڈاکٹر سلیم اختر صاحب نے اس کا رشتہ دراوڑی سے جوڑا[۵]، آب حیات[۶] سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دہلی اور اس کے گرد و نواح میں مختلف اقوام کے اختلاط سے وجود میں آئی۔ ہمارے خیال میں اردو زبان کی تاریخ و ارتقاء پر جتنی بھی ایسی سنجیدہ تحقیقات ہوئی ہیں جو کہ اس زبان کا رشتہ ہندوستان کی کسی قدیم زبان مثلاً دراوڑی وغیرہ سے جوڑتی ہیں یا ہندوستان کے کسی ایسے علاقہ سے وابستہ کرتی ہیں جو اپنے اندر مکمل یا بھرپور تہذیب سمیٹے ہوئے ہے جیسے سندھ، دکن، دو آبا گنگا و جمنا یا دہلی وغیرہ تو ایسی تمام کی تمام تحقیقیں اپنے اپنے طور پر ایسے ٹھوس دلائل پر مبنی ہیں کہ قوی اور صحیح معلوم ہوتی ہیں اور ان سب تحقیقوں کے ظاہری اختلاف و تفاوت کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ان میں سے صرف کوئی ایک درست ہے اور باقی تمام غلط ہیں بلکہ یہ تمام کے تمام اپنی اپنی جگہ کسی حد تک درست ہیں یعنی ہر ایک محقق نے اس زبان کی ابتداء کا کھوج اس جگہ لگانے کی کوشش کی ہے جہاں وہ پہلے سے موجود تھی لہٰذا اس کو وہاں اس کا کھوج مل گیا۔ صرف ان کے زاویہ نگاہ میں اور تحقیق کے انداز میں فرق ہے۔ ان تمام محققین نے اردو یا ہندی زبان کی ابتداء کا کھوج کسی ایک مخصوص علاقہ میں لگانے کی کوشش اس لئے کی کہ ان تمام کے خیال میں شعوری یا لاشعوری طور پر یہ بات موجود تھی کہ یہ زبان اولاً کسی خاص خطہ یا علاقہ میں پیدا ہوئی اور پھر پورے برصغیر میں پھیلی۔ جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ اردو یا ہندی زبان پورے برصغیر میں پائے جانے کے باوجود تقسیم ہند سے قبل تاریخ کے کسی حصہ میں بھی حکمران طبقہ کی زبان نہیں رہی جب مسلمان حکمران تھے تو فارسی اور ترکی کو افضلیت حاصل تھی اور اس سے قبل حکمران برہمنوں اور مذہبی لحاظ سے مسلط پنڈتوں کی زبان سنسکرت کو شاہی سرپرستی حاصل تھی۔

یہ غریب زبان تو اس دیس کے بسنے والوں کی اصل زبان تھی اور ہے جو کہ انہوں نے صدیوں کے سفر

میں پورے ملک میں یکساں طور پر لاشعوری طور پر تخلیق کی تھی اس کی بنیاد اگر کہیں رکھی جا سکتی ہے تو صرف اور صرف اس زبان پر جو کہ اس خطہ میں سب سے پہلے بسنے والے لوگ بولا کرتے تھے۔ اور اس وقت تک کی تحقیق سے وہ زبان دراوڑی بنتی ہے۔[۷] سنسکرت، عربی، فارسی اور ترکی وغیرہ تو وہ زبانیں ہیں جو کہ اس اصل زبان پر سیاسی، مذہبی، سماجی اور معاشرتی لحاظ سے مختلف ادوار میں مختلف انداز سے اثر انداز ہوتی رہیں اور اپنا اپنا رنگ چھوڑتی رہیں۔

اگر متذکرہ بالا مفروضہ کو درست مان لیا جائے تو دو اہم سوال پیدا ہوتے ہیں پہلا یہ کہ ایک ہی زبان کے دو مختلف نام کیا معنی رکھتے ہیں اور دوسرا یہ کہ ایک ہی زبان کو لکھنے کے لئے دو ایسے رسم الخط جن میں بعد المشرقین ہو، کیونکر ہو سکتا ہے۔

جہاں تک رہا اس زبان کے دو مختلف ناموں کا سوال تو یہ ازخود ایک طویل بحث ہے یہاں اختصار سے یہ بیان کرنا بجا ہو گا کہ چاہے اس زبان کا نام ہندی مانا جائے یا اردو تو ہمارے خیال میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ یہ دونوں نام اس زبان کے لئے اس خطہ سے باہر کے لوگوں نے رکھے ہیں۔ ہندی نام اس لئے پڑا کہ عرب لوگ اس خطہ کو زمانہ قدیم سے ہند کہتے تھے اور اس ہی نسبت سے یائے نا نسبہ لگا کر انہوں نے یہاں پر بولی جانے والی زبان کو ہندی کہا یہ ہی یائے نا نسبہ فارسی میں بھی مستعمل ہے اور یہ ہی نام اس زبان کو اہل فارس نے بھی دیا۔ یہاں ایک نہایت دلچسپ لیکن اہم تاریخی حقیقت بھی ہم بیان کرتے چلیں اور وہ یہ کہ ہندو، ہندی اور ہندوستان نیون الفاظ سنسکرت کے نہیں بلکہ نیول الفاظ فارسی زبان کے ہیں۔[۸] جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ برصغیر پاک و ہند کو ہند کا نام عربوں نے دیا اور اس ہی نسبت سے ایرانیوں یا قدیم فارسی یا آوستہ بولنے والے لوگوں نے اس خطہ کو ہندوستان یہاں کے باسیوں کو۔ ہندو اور ان کی زبان کو ہندی کا نام دیا۔ رہی بات اس زبان کے دوسرے نام، یعنی اردو کی تو جو رائے مقدم اور مشہور ہے وہ اس لفظ کی نسبت ترکی لفظ اردو کی طرف ہے جس کے معنی لشکر کے ہیں اور قرین قیاس یہ بات ہے کہ اس زبان کو کسی ماہر لسانیات نے اردو کا نام اس لئے دیا ہو گا کہ اس نے اس میں ہر زبان یعنی سنسکرت، فارسی، عربی اور ترکی وغیرہ کے الفاظ پائے ہوں گے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ پورے برصغیر کی عوامی زبان کو اور نگزیبی دور کے بعد عمومی طور پر اردو ہی کا نام دیا گیا یا کبھی کبھی علاقہ کی نسبت بھی جوڑ دی جاتی تھی جیسے دکنی اردو، لکھنوی اردو، دہلوی اردو وغیرہ۔

ہندوستان کی سیاسی تاریخ کے مدوجزر پر اگر نظر رکھی جائے اور اس کو لسانیات کے تناظر میں دیکھا جائے تو یہ بات بالکل دل کو نہیں لگتی کہ اردو زبان مغلوں کے دور میں دہلی کے بازاروں میں مختلف زبانیں بولنے والے لوگوں کے باہمی میل جول سے وجود میں آئی اور پھر یک لخت پورے ملک میں پھیل گئی- اس نظریہ کو ماننا اس وقت تو ممکن ہو سکتا تھا کہ اگر برصغیر کا کل رقبہ دہلی کے گردونواح تک ہی محدود ہوتا اور اس میں بسنے والی اقوام کی تعداد بھی دو چار سے زیادہ نہ ہوتی اور مذاہب کا بھی زیادہ اختلاف نہ ہوتا ایسے سماجی و سیاسی ماحول میں تو ایک اچانک وجود میں آ جانے والی زبان پورے علاقہ میں پھیل سکتی ہے اس پر بھی شرط یہ ہے کہ اس کو حکومتی سرپرستی حاصل ہو لیکن شواہد تمام کے تمام اس کے برعکس ہیں- لہٰذا دوسرا مفروضہ ہماری دانست میں زیادہ قوی نظر آتا ہے کہ پورے برصغیر میں عوامی سطح پر ایک زبان کا وجود ہو اور اس میں تھوڑے تھوڑے عرصہ بعد ایک نئی اور قوی زبان جس کو حکمران طبقہ کی سرپرستی حاصل ہو اثر انداز ہوتی رہے اور نہ صرف زبان بلکہ وہ دوسری زبان بولنے والے لوگ بھی کبھی کم اور کبھی زیادہ تعداد میں اس معاشرہ میں بستے جا رہے ہوں اور اپنے ساتھ اپنے مذہبی اور سماجی وابستگی والے الفاظ بھی لئے چلے آ رہے ہوں اور اس طرح جنم پانے والی زبان بجا طور پر لشکری زبان کہلانے کی حق دار بن سکتی ہے کہ اس کا اصل ڈھانچہ اس قدر وسیع اور مضبوط ہے کہ اس میں لامحدود الفاظ سمٹے چلے آ رہے ہیں اور وہ زبان وسعت پذیر ہوتی چلی جا رہی ہے-

اب رہی بات دوسرے سوال کی کہ ایک زبان کو لکھنے کے دو طریقے کس طرح ہو سکتے ہیں- اس سوال کا جواب دینے سے قبل ہم اس بات کی وضاحت کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ دنیا کی تمام زبانیں پہلے وجود میں آتی ہیں بعد ازاں ان کو ضبط تحریر میں لانے کا طریقہ کار وضع کیا جاتا ہے-[۹] اور کسی بھی زبان کے بولنے والے لوگ جب اپنی زبان کے لئے رسم الخط وضع کرتے ہیں یا اپناتے ہیں تو اس میں شعوری طور پر وہ اپنے مذہبی عقائد اور سیاسی میلانات کو مدنظر رکھتے ہیں-[۱۰] جدید دنیا میں اس کی بہترین مثال ہم کو ترکی زبان سے مل سکتی ہے- آج ترکی زبان دو رسم الخطوں میں رکھی جاتی ہے- موجودہ ترکی جو کہ پہلے نستعلیق یا عربی رسم الخط میں رکھی جاتی تھی' جدید ترکی کی بنیاد رکھے جانے کے بعد رومن رسم الخط میں لکھی جاتی ہے اور اس کی خالصتاً" سیاسی وجوہات ہیں جو کہ خلافت کے ختم ہو جانے کے بعد ترکی قوم کے غلط یا صحیح اپنا لئے اور اپنے لئے ایک راستہ چن لیا-[۱۱]

بعین ہی یہ معاملہ اردو زبان کا ہے یا یوں کہیں کہ برصغیر کی اس عوامی زبان کا ہے جو کہ صدیوں کا ارتقائی سفر طے کرنے کے بعد اپنی موجودہ صورت تک پہنچی۔ رہی بات اس زبان کو دو مختلف رسم الخط میں لکھے جانے کی تو یہ بات بھی اتنی پیچیدہ نہیں جتنی کہ ظاہری طور پر نظر آتی ہے۔ اگر ہم اس زبان کو برصغیر کی سیاسی اور معاشرتی تاریخ کے تناظر میں دیکھیں تو معاملہ اور زیادہ آسان ہو جاتا ہے۔ تاریخی اعتبار سے یہ بات ثابت ہے کہ برصغیر میں کسی بھی زبان یا بولی کو لکھنے کے لئے دو ہی رسم الخط موجود رہے ہیں جو کہ اس سرزمین سے تعلق رکھتے ہیں اولاً" دیوناگری اور ثانیاً نستعلیق' دیوناگری رسم الخط کی ابتداء کہاں سے کیوں اور کیسے ہوئی یہ ایک لمبی بحث ہے۔ اس وقت اس مضمون کے حوالہ سے ہمارے لئے یہ بات جان لینا ضروری ہے کہ برصغیر میں تاریخ کے مختلف ادوار میں کئی زبانیں دیوناگری رسم الخط میں لکھی جاتی رہی ہیں اور ان تمام زبانوں میں سب سے زیادہ بااثر زبان سنسکرت ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ یہ زبان اس دور میں حکمرانوں اور پنڈتوں کی زبان رہی جب یہاں ایک طویل عرصہ تک ہندو دھرم کی ذات پات کا نظام رائج رہا۔ اس سیاسی نظام کا ڈھانچہ اس قدر مضبوط تھا کہ وہ ہی نظام ہزاروں سال بعد بھی آج تک کسی طور برصغیر میں بالعموم اور موجودہ ہندوستان میں بالخصوص موجود ہے۔[۱۲]

جدید تحقیق سے یہ بات سامنے آتی چلی جا رہی ہے کہ سنسکرت درحقیقت وہ کچھ نہیں جو کہ سمجھی جاتی رہی ہے۔ بلکہ سنسکرت ہندوستان کے کسی بھی علاقہ کی کبھی عوامی زبان نہیں رہی یہ تو ویش' شودر' کھتری اور برہمن ذاتوں پر مبنی ذات پات کے نظام و معاشرت میں سب سے اعلیٰ ذات برہمنوں اور ان کے مذہبی راہنماؤں یعنی پنڈتوں کی زبان تھی جو کہ انہوں نے تمام دوسری ذاتوں پر اپنا سیاسی اور مذہبی تسلط برقرار رکھنے کے لئے وضع کی تھی۔ یہاں ہمارے خیال میں جناب رشید اختر ندوی مرحوم کے نظریہ کا ان کے اپنے الفاظ میں بیان کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔[۱۳]

ہمیں تعجب ہے کہ علمائے السنہ پر سنسکرت کا کچھ اس درجہ رعب بیٹھا تھا کہ انہوں نے جس بولی کی صورت حال کو بھی پرکھا' سنسکرت کے واسطے سے پرکھا یہ نہ دیکھا کہ سنسکرت کی اپنی بنیاد کیا تھی۔ اور جب یہ ان تک پہنچی تھی تو اس کی حیثیت محض پنڈتوں کی کوٹھڑیوں میں چھپ چھپ کر وقت گزارنے والی داشتہ کی تھی اور اصل ملکہ وہ پراکرت تھی جو صدا سہاگن کے روپ میں پشاور سے لے کر بہار تک کے ہر گھر میں راج کر رہی تھی۔

یہ بات کہنا بھی درست نہ ہو گا کہ کیونکہ برصغیر پر پہلے ہندو سماج کا سیاسی غلبہ تھا اور بعد ازاں مسلمان یہاں مغرب کی جانب سے آئے لہٰذا پہلے یہاں دیوناگری رسم الخط رائج تھا یا جانا جاتا تھا- بعد ازاں مسلمان حکمرانوں کے توسط سے فارسی یا عربی رسم الخط بھی یہاں آ گیا- یہ بات اس لئے غلط نظر آتی ہے کہ ایران کی قدیم زبان آوستہ جو کہ زرتشتی مذہب کی بھی زبان تھی اس کا رسم الخط بھی نستعلیق تھا اور یہ بات ثابت شدہ ہے کہ آوستہ زبان سنسکرت زبان سے بہت زیادہ قدیم ہے بلکہ بعض محققین کی رائے تو یہ بھی ہے کہ سنسکرت زبان میں لکھے جانے والے ابتدائی ادبی و مذہبی شاہکار جن میں ویدیں اور مہابھارت وغیرہ شامل ہیں، یہ بھی آوستہ زبان میں موجود زرتشتی مذہبی کتب کا چربہ ہیں لہٰذا معلوم ہوا کہ نستعلیق رسم الخط برصغیر میں نہ صرف اتنے عرصہ سے موجود ہے کہ جتنے عرصہ سے یہاں دیوناگری خط موجود ہے بلکہ اس سے بھی قبل یہ خط یہاں پر روشناس ہو چکا تھا- یوں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نستعلیق خط کا وجود برصغیر میں محض اتنا پرانا نہیں جتنا کہ یہاں مسلمانوں کی آمد- ہاں سیاسی اور سماجی اعتبار سے اگر کوئی فرق ہے تو وہ یہ کہ دیوناگری خط نہایت محدود اور جغرافیائی و سماجی سرحدوں میں قید خط تھا اور ہے جبکہ نستعلیق خط ایک وسیع اور جغرافیائی، سماجی اور دیگر تمام قیود سے آزاد تھا اور ہے-[۱۴] اور ہماری رائے میں برصغیر کی اس زبان کی بقاء، ترویج اور ترقی کے لئے اس زبان کا نستعلیق رسم الخط میں ہی لکھا جانا ضروری ہے جیسا کہ پاکستان میں یہ زبان اس رسم الخط میں لکھی جا رہی ہے اس سے نہ صرف پاکستان کی قومی زبان کی ترقی اور تحفظ کا عمل جاری بلکہ دنیا کی بولے جانے کے اعتبار سے تیسری بڑی زبان کی بھی صحیح طور خدمت کی جا رہی ہے-

حوالہ جات

۱- G.H. Fairbanks, and B.G. Misra, Spoken and Written Hindi, (New York: Cornell University Press, 1965), v.

۲- رشید اختر ندوی، پاکستان کا قدیم رسم الخط اور اردو زبان، (قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت: اسلام آباد، ۱۹۹۵ء)، ۴۴۷

۳- علامہ سید سلیمان ندوی، نقوش سلیمانی، (اردو اکیڈمی: کراچی، ۱۹۶۷ء)، ۲۸

۴- حافظ محمود شیرانی، پنجاب میں اردو، (حصہ اول) (مقتدرہ قومی زبان: اسلام آباد، ۱۹۸۸ء)، ۱۷

۵۔ ڈاکٹر سلیم اختر' اردو زبان کی مختصر ترین تاریخ' (مقتدرہ قومی زبان: اسلام آباد' ۱۹۹۵ء)' ۹۹

۶۔ علامہ محمد حسین آزاد' آب حیات' (شیخ مبارک علی اینڈ کمپنی: لاہور' ۱۹۵۴ء)' ۲۷

۷۔ Ai'n al-Haq Faridkoti, Pre-Aryan Origin of the Pakistani Languages, (Oriental Society: Lahore, 1978), 28, 50

۸۔ Brian K. Smith, History of Religions, An International Journal for Comparative Historical Studies, University of Chicago, Volume 27, Number 1, August 1987, Page 34-35

۹۔ Nancy Parrott Hickerson, Linguistic Anthropology : Basic Anthropology Units (Rinchart & Winston: Florida U.S.A., 1980) 18

۱۰۔ Ibid., 35.

۱۱۔ Mohammad Akhmut, Turkish Grammer, (Punjab University: Lahore, 1953), 5

۱۲۔ Anthony Arlotto, Introduction to Historical Lingust, Harvard University, (Houghton Mitthin, 1972), 40.

۱۳۔ رشید اختر ندوی' ۳۰۳

۱۴۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری' ہندو اردو تنازع: ہندو مسلم سیاست کی روشنی میں' (نیشنل بک فاؤنڈیشن: اسلام آباد' ۱۹۸۸ء)' ۱۱۵-۱۱۱

پاکستان کی ایک اہم دینی و سیاسی جماعت، جمعیت علماء پاکستان کی تاریخ اور ملکی سیاست میں اس کے کردار پر انگریزی میں اپنی نوعیت کی پہلی تحقیقی کتاب

JAM'IYYAT-i-'ULAMA-i-PAKISTAN
1948-----1979

مصنف : **مجیب احمد**

صفحات : 300 ، **قیمت** : 150 روپے

ملنے کا پتہ :

قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت
کوٹھی نمبر605، گلی نمبر29، جی۔ 10/2
پی او بکس نمبر1230، اسلام آباد
فون : 294642